© rasailojaraid.com

سید عزیز الرحمٰن

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

اور

''تدوینِ حدیث''

﴿۱﴾

مولانا مناظر احسن گیلانی گزشتہ صدی کے ان علما میں سے تھے، جن پر ''بقیۃ السلف'' کا لقب حرف بہ حرف صادق آتا تھا۔ جو اسلاف باکرام کے سچے جانشین اور صحیح معنی میں اخلاف تھے، جو علم وعمل، گفتار وکردار، انداز واطوار، اور پھر رسوخ فی العلم، حفظ وضبط، تدوین وتصلب، جہد واجتہاد، استنباط واستشہاد، شرافت وسیادت، خاک ساری وسادگی، ذکاوت وذہانت اور وسعت نظر و وسعتِ مطالعہ میں اپنی مثال آپ اور علمائے سابقین کی مکمل تصویر تھے۔ آپ نے جو تحریری ذخیرہ چھوڑا وہ بھی مطالعے کے قابل اور استفادے کے لائق ہے، کہ اس میں بھی ہمارے درخشاں ماضی کی جھلکیاں، گزرتے ہوئے حال کی کی روداد اور آنے والے مستقبل کے لئے ہدایتیں مضمر ہیں۔ قرآن وسنت، حدیث وفقہ، سیرت وسوانح اور تاریخ وسیر پر وہ کلام اور گفتگو آپ کی کتابوں میں نظر آتی ہے، جو اجتہادی شان لئے ہوئے ہے۔ آپ کی تحریر کا مطالعہ قاری کو ایک ایسی دنیا سے آشنا کرتا ہے جو علم کے ساتھ ساتھ عمل کی بھی ہے، جو شعور کے ساتھ ساتھ وجدان کی بھی ہے، جو جسم کے ساتھ ساتھ روح سے بھی تعلق رکھتی ہے، اور یہ وہ دنیا ہے جو عقل کے ساتھ ساتھ دل سے بھی تعلق رکھتی ہے ـــ علم وعمل، جسم وجاں، قلب وعقل اور شعور و وجدان کا یہ امتزاج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حسین اور دل کش بھی ہے، خوش کن بھی ہے اور تدبر و غور و فکر پر ابھارنے و برانگیختہ کرنے والا بھی، اس لئے آپ کی کسی بھی تحریر کو پڑھنے والا اس شاہراہ سے سرسری طور پر نہیں گزر سکتا، ہر گزرنے والا ٹھٹکنے پر اور ہر ٹھٹکنے والا رک جانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ آپ کی شخصیت بھی بلند قامت اور ہزاروں میں نمایاں ہو جانے والی ہے، آپ کے شخصی اوصاف میں سے کوئی ایک وصف بھی غالباً ایسا نہیں جس پر ٹھہر کر رک کر غور کئے بغیر آگے بڑھ جانا ممکن ہو، اور ان اوصاف میں سے نمایاں ترین آپ کی زندگی کا اخلاقی پہلو ہے۔

پھر آپ تحریر ہی نہیں تقریر کے بھی تاج ور تھے، اور آپ کی تحریر و تقریر دونوں سے استفادہ کرنے والوں کا کہنا بھی یہی ہے کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ آپ کس حیثیت میں زیادہ نمایاں اور زیادہ کامیاب تھے؟ البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ کی تقاریر ہواؤں میں تحلیل ہو گئیں مگر تحریر باقی ہے، اور علوم دینی کے طلبا کے لئے نعمتِ بیش بہا کے ساتھ ساتھ اردو زبان و ادب کی ثروت میں اضافے کا باعث بھی۔

زیر نظر مضمون میں آپ کی انہی حیثیتوں کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جبکہ مضمون کے دوسرے حصے میں آپ کی شہرہ آفاق اور بے مثال تالیف ''تدوین حدیث'' کے مباحث و مضامین کا جائزہ لیا گیا ہے۔

خاندان

مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ حسنی حسینی زیدی خاندانِ سادات سے تعلق رکھتے تھے آپ کے مورثِ اعلیٰ سید احمد جاجنیری (۱) تھے، جو سلطان محمد غوری کے ہمراہ برصغیر میں تشریف لائے تھے، پہلے وہ کان پور کے قریب آباد ہوئے، بعد میں بہار (ہندوستان) کے اس علاقے میں چلے آئے جو آج ضلع مونگیر کا حصہ ہے۔ اس خانوادے کی ایک شاخِ ضلع پٹنہ میں موضع بہار شریف سے بارہ میل دور مشرق کی سمت میں ''محی الدین پور گیلانی'' نام کی ایک بستی میں آباد چلی آ رہی ہے۔ ''محی الدین پور گیلانی'' کا نام تخفیف پا کر صرف گیلانی ہی رہ گیا ہے، اسی بستی کے حوالے سے مولانا مناظر احسن گیلانی کی پہچان ہے۔ آج اس بستی کی آبادی محض چھ سات سو افراد پر مشتمل ہے۔ (۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت سید احمد جاجنیری کی اولاد میں میر شجاعت علی نامی ایک صاحب علم و عمل بزرگ گزرے ہیں۔ یہ مولانا سید مناظر احسن گیلانی کے پردادا تھے۔ ان کے بیٹے سید محمد احسن تھے جو جید اور ممتاز عالم دین اور اپنے وقت کے معروف صاحب درس و تدریس تھے۔ انہوں نے بنارس، لکھنؤ، رام پور اور دہلی کے نامور اساتذہ سے علم کی تحصیل کی تھی۔ ان میں مفتی واجد علی، مولانا نعمت اللہ فرنگی محلی، حضرت شاہ محمد اسحاق، مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا اکبر علی رام پوری اور مولانا عالم علی نگینوی شامل ہیں۔(۳)

مولانا سید محمد احسن گیلانی کے تین صاحبزادے تھے، سب سے بڑے صاحبزادے ابوظفر محمد سلیمان کا اپنے والد کی زندگی ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ باقی دو صاحبزادے سید ابونصر اور حافظ ابوالخیر تھے۔ سید ابونصر نے رامپور اور لکھنؤ میں تعلیم پائی تھی، اور اپنے علم و فضل اور شعر و شاعری کے سبب اقران و امثال میں نمایاں تھے۔ دوسرے صاحبزادے حافظ ابوالخیر والد کی رحلت کے وقت چودہ سال کے تھے۔ وہ درسیات کی جانب زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ حفظ قرآن اور ابتدائی فارسی خوانی کے بعد کھیتی باڑی میں لگ گئے، وہ بڑے مخیّر اور فیاض تھے۔ انہوں نے ۱۹۲۹ء میں وفات پائی یہی حافظ ابوالخیر، مولانا سید مناظر احسن گیلانی کے والد ماجد تھے۔(۴)

حافظ سید ابوالخیر کو اللہ تعالیٰ نے جس اولاد سے نوازا، ان میں مناظر احسن، مکارم احسن اور مظہر احسن شامل ہیں (۵) مولانا مناظر احسن گیلانی اپنے دونوں بھائیوں سے عمر میں بھی بڑے تھے اور علم و عمل، تدرس و تدریس، تصنیف و تالیف اور تحریر و تقریر میں بھی فوقیت کے حامل ہوئے۔

پیدائش

آپ کی پیدائش ۹ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ/ یکم اکتوبر ۱۸۹۲ء کو آپ کے ننھیال موضع استھانواں میں ہوئی، اور مناظر احسن تاریخی نام ہے، جس سے ۱۳۱۰ عدد برآمد ہوتے ہیں، جو ہجری اعتبار سے آپ کا سن پیدائش ہے۔(۶)

تعلیم

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے چچا سید ابونصر سے حاصل کی، انہوں نے اردو فارسی کی ابتدائی کتب پڑھانے کے بعد آپ کو ٹونک بھیجا، اس وقت مولانا مناظر احسن گیلانی کی عمر ۱۳، ۱۴ برس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی، ٹونک میں آمد پر آپ کی تعلیم کا دوسرا دور شروع ہوا، جو لگ بھگ ۸ برس تک جاری رہا اس وقت ٹونک میں مدرسہ خلیلیہ کے نام سے ایک درس گاہ مرجع خلائق تھی، جہاں مولانا سید برکات احمد ٹونکی شخصیت مسندِ درس آراستہ کئے ہوئے تھی، اور آپ کے درس کی بڑی شہرت تھی، آپ نے یہاں مختلف مروجہ علوم وفنون اور معروف درسی کتب کا درس لیا، خاص طور پر مولانا برکات احمد صاحب سے کتبِ منطق کا درس لیا(۷) نیز مدرسہ خلیلیہ کے ایک دوسرے مدرس مولانا محمد اشرف سے ادب میں مقامات حریری، دیوان متنبی حماسہ اور سبعہ معلقہ جیسی کتابوں کا درس لیا، ان ہی سے ریاضی، ہیئت اور ہندسہ کی تحصیل کی۔(۸)

ٹونک سے فارغ التحصیل ہو کر کچھ عرصے کے لئے مولانا گیلانی اجمیر چلے گئے تھے۔ وہاں مولانا معین الدین اجمیری (م ۱۹۴۰ء) کے ہاں مقیم رہے۔ مولانا اجمیری بھی مولانا گیلانی کی طرح مولانا برکات احمد ٹونکی کے شاگردوں میں سے تھے۔ پھر شوال ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء میں جب ان کی عمر بیس برس کے قریب تھی، دورہ حدیث کے لئے دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔(۹)

اساتذہ

دار العلوم دیوبند میں کتب حدیث کی تدریس اپنے وقت کے بڑے فاضل بزرگوں کے ہاتھ میں تھی۔ الجامع الصحیح (بخاری) اور جامع ترمذی کا درس شیخ الہند مولانا محمود حسن دیتے تھے۔ الجامع الصحیح (مسلم) مولانا انور شاہ کشمیری پڑھاتے تھے۔ سنن ابی داؤد کی تدریس مولانا شبیر احمد عثمانی کے ذمے تھی، جو اس وقت دار العلوم کے اساتذۂ حدیث میں سے سب سے کم عمر تھے۔ مولانا عثمانی دار العلوم سے الگ ہوئے تو سنن ابی داؤد کی تدریس کا قرعہ فال مولانا میاں سید اصغر حسین کے نام پڑا۔ اس طرح مولانا گیلانی نے سنن ابی داؤد کا کچھ حصہ ایک استاد اور کچھ حصہ دوسرے استاد سے پڑھا، موطا امام محمد اور موطا امام مالک کے درس مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی دیتے تھے۔ سنن ابن ماجہ مولانا غلام رسول پڑھاتے تھے۔ سنن نسائی مولانا حسین احمد مدنی پڑھاتے تھے۔ مولانا مدنی، حضرت شیخ الہندؒ کے درس میں خود بیٹھتے بھی تھے۔ اس طرح مولانا مدنی ایک کتاب کے درس میں مولانا گیلانی کے ہم سبق اور دوسری کتاب میں استاد تھے۔ دورہ حدیث کے دوران مولانا گیلانی نے فارغ اوقات میں مولانا گل محمد خان سے سراجی اور مولانا حکیم محمد حسن سے ہدایہ کا درس لیا تھا۔(۱۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا اپنے زمانہ طالب علمی میں بھی بالکل آغاز ہی سے ذہین طلبہ میں شمار ہونے لگے تھے، پھر جب دار العلوم دیوبند آئے تو یہاں بھی اساتذہ کے منظور نظر بن گئے، اور اپنے اساتذہ کا انہیں قرب حاصل ہو گیا۔ ان کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ نے انہیں تحریر و تالیف کی جانب توجہ دلائی تھی، اسی طرح علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا انور شاہ کشمیری رحمہا اللہ بھی ان کی صلاحیتوں کے معترف تھے۔(۱۱)

ملازمت

مولانا مناظر احسن گیلانی نے بائیس برس کی عمر میں دار العلوم دیوبند سے شعبان ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء میں امتیازی حیثیت میں فراغت اور سندِ فضیلت حاصل کرنے کے بعد ملازمت کا آغاز اپنی ابتدائی مادر علمی مدرسہ خلیلیہ کے کتب خانے میں فہرست سازی کے کام سے کیا، پھر کچھ ہی عرصے بعد وہیں مدرس مقرر ہو گئے۔ چند ماہ بعد حیدر آباد دکن کا سفر اختیار کیا، مگر روزگار کی کوئی پسندیدہ صورت سامنے نہ آنے کے سبب گجرات کے مختلف شہروں سے ہوتے ہوئے ربیع الاول ۱۳۳۴ھ میں دار العلوم دیوبند پہنچے، اور وہاں ابتدا میں ''القاسم'' و ''الرشید'' کی کچھ ذمے داریاں تفویض ہوئیں، بعد میں معین المدرسین کے طور پر تقرر ہو گیا، اور ۳۰ روپیہ ماہانہ مشاہرہ ٹھہرا۔(۱۲)

اس دوران میں حیدر آباد دکن میں جامعہ عثمانیہ کا قیام عمل میں آیا، اور کلیہ جامعہ عثمانیہ میں ''استاذ حدیث'' کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہو گیا، آپ کے اساتذہ نے ان کے حیدر آباد چلے جانے کی تائید کی اور اس طرح آپ کو ایک جدید طرز کی درس گاہ میں اپنی صلاحیتیں اجاگر کرنے کا موقع ملا۔ یہاں مشاہرہ بھی معقول ۲۵۰ روپے ماہانہ تھا، کچھ عرصے بعد مولانا گیلانی ''دینیات لازمی'' کے استاد ہو گئے۔ اور پروفیسر تک پہنچے، بعد میں شعبے کے صدر بھی مقرر ہوئے، اور بالآخر ۳۱ مارچ ۱۹۴۹ء/ ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۶۹ھ کو پینشن پاتے ہوئے الگ ہو گئے۔(۱۳)

مولانا نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ جامعہ عثمانیہ میں گزارا۔ اور طلبہ کی تربیت و تعلیم میں خاص ذوق کا ثبوت دیا، جس کے سبب آپ کا شمار جامعہ عثمانیہ کے قابل ترین، ہر دل عزیز اور کامیاب اساتذہ میں ہوتا تھا، اپنے مضمون پر آپ کا عبور، اندازِ بیان کی سحر انگیزی و دل نشینی، وسعت مطالعہ اور طلبہ پر شفقت وہ امور تھے، جن کے سبب آپ کے لیکچر طلبہ میں بے حد مقبول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے، آپ نفس مضمون کے ساتھ ساتھ طلبہ میں دینی حمیت اور اسلامی روح پھونک دیتے تھے، آپ نہ صرف مذہبی مسائل پر اپنی تحقیقات کو درس میں پیش فرماتے تھے، بلکہ طلبہ میں لکھنے پڑھنے اور تصنیف وتالیف کا ذوق بھی پیدا کرتے تھے، جناب بدر شکیب لکھتے ہیں۔

> آپ کی تفہیم کا طریقہ انتہائی دلکش تھا اور دقیق مسائل ایسے عام فہم انداز میں تشبیہات اور استعاروں کے ساتھ پیش کرتے تھے کہ ان کی وجہ سے طلبہ میں مذہب سے شیفتگی میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ جامعہ عثمانیہ کے سارے سنی عقائد رکھنے والے طلبہ کی زندگیوں پر مولانا مناظر احسن گیلانی کی تعلیم اور ان کے خطبات کا بڑا اثر ہے۔ بعض طلبہ نے جنہیں شعبۂ دینیات سے کوئی تعلق نہ تھا، محض مولانا کے فیضِ محبت میں دینی علوم میں ایک اونچا معیار حاصل کرلیا۔ مولانا مناظر نے اپنے طلبہ میں مذہبی مسائل پر تحقیقات اور تالیف وتصنیف کا ذوق بھی پیدا کیا۔ (۱۴)

شادی

مولانا کی شادی تعلیم سے فراغت کے بعد داروغہ نظیر کی صاحب زادی سے ہوئی تھی۔ آپ نے ایک بیٹا اور ایک بیٹی اپنے پیچھے یادگار چھوڑی۔ صاحبزادے کا نام سید محی الدین تھا۔ آزادی کے بعد پاکستان آگئے تھے۔ پنجاب کی صوبائی انتظامیہ سے متعلق اور گوجرانوالہ میں کمشنر تھے۔ ۱۹۷۰ء میں گوجرانوالہ ہی میں انتقال ہوا۔ لاہور میں آسودہ خواب ہیں۔ بیٹی ان کے منجھلے بھائی مکارم احسن کے صاحبزادے سے بیاہی گئی تھیں۔ وہ ہندوستان میں ہی رہیں (۱۵)

بیعت واجازت

آپ نے زمانہ طالب علمی میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن سے بیعت کی تھی، بعد میں حیدرآباد کے ایک بزرگ مولانا محمد حسن سے بیعت ہوئے، انہوں نے آپ کو اجازت بھی دی تھی اور اپنا خلیفہ نامزد کیا تھا، اسی طرح ایک اور بزرگ حبیب العیدروس سے بھی آپ کا ارادت مندانہ تعلق اور بیعت تھی، ان سے بھی خلافت ملی تھی (۱۶) اگرچہ آپ کی جانب سے کسی کی بیعت کئے جانے کا ثبوت نہیں ملتا۔ (۱۷) آپ نے ایک بار اس کی وجہ بھی بیان کی تھی اور فرمایا تھا:

> کبھی کبھی دل میں آتا تھا کہ لاؤ ان اصرار کرنے والوں کو بیعت کرلوں، اس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عیب ہی کیا ہے، مگر رات میں جب یک سوئی ہوتی تو سوچتا کہ پتہ نہیں کل قیامت میں اپنا معاملہ کیسے طے پائے گا، اور کیا پیش آئے گا، دوسروں کا بوجھ کیوں اپنی گردن پر ڈالنے کا ارادہ کروں، پھر بیعت کرنے کے خیال کو غلط وسوسہ قرار دے کر علیحدہ ہو جاتا۔(۱۸)

آخری ایام

مولانا مناظر احسن گیلانی کی زندگی کا آخری دور اپنے آبائی علاقے گیلانی میں بسر ہوا۔ اس دور میں آپ کے ایام عبادت وریاضت، مطالعے اور تصنیف وتالیف میں بسر ہوتے تھے، تھوڑی بہت زمین کی آمدنی اور پنشن کی رقم سے بہ اطمینان گزر بسر ہو جاتی تھی۔ اس دور کے احوال کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے اپنے ایک خط میں اس دور کو اصحاب کہف سے تشبیہ دیتے ہوئے ''کہفی دور'' قرار دیا ہے، مولوی غلام محمد صاحب کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

حیدر آباد سے نکلنے کے بعد جس کہفی گوشے میں آخری پیغام کا منتظر بن کر بیٹھ گیا ہوں، وہاں سے باہر جانے کا موقع اس چار پانچ سال کے عرصے میں مشکل ہی سے آیا۔ صرف سید الملت (سلیمان ندوی) کی خاطر سے ایک دفعہ اعظم گڑھ دار المصنفین گیا تھا اور گزشتہ ماہ جنوری میں ان کے جلسہ ماتم میں شریک ہونے کے لئے لکھنؤ حاضر ہونے پر مجبور ہونا پڑا۔ ایک اجڑا گاؤں جہاں چند گنواروں کے سوا کسی شریف صورت پر نظر نہیں پڑتی، پڑا ہوا ہوں۔ صحت کی خرابی کی وجہ سے لسانی قوت سے محروم ہو چکا ہوں۔ جہاں تک بس چلتا ہے قلم سے کچھ گھسیٹ لیتا ہوں۔ (۱۹)

انتقال

۵۳ کے آخر میں آپ کو دل کی تکلیف ہوئی۔ چند ماہ بعد آپ کے دل پر دوسرا حملہ ہوا۔ جو زیادہ شدید تھا۔ جس کی بنا پر آپ کے لکھنے پر پابندی لگا دی گئی۔ مگر آپ کے مشاغل کسی نہ کسی صورت میں جاری رہے، بالآخر وقتِ موعود آپہنچا، اور ۵ جون ۱۹۵۶/ ۲۵ شوال ۱۳۷۵ھ کو صبح میں دل کا دورہ پڑا۔ اور سات بجے آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا، اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اسی روز بعد از ظہر آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، اور اپنے آبائی شہر گیلان ہی میں مدفون ہوئے۔ (۲۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخلاق وکردار

آپ کے کردار کے بہت سے پہلو ہیں۔آپ ایک ہمہ جہت شخصیت تھے،آپ عام فہم اسلوب میں لکھنے والے جاذب التحریر مؤلف، وسیع الخیال محقق، اسلاف کے مسلکِ سادگی وعاجزی پر عامل، درویش بے ریا، دینی حمیت وغیرت رکھنے والے دردمند مسلمان، تحقیق وتدقیق میں اہلِ علم سے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوانے والے مگر احباب کی مجلس میں ہشاش بشاش اور مزاح ومذاق سے محفل سجا دینے والے،ان خوبیوں کے سبب آپ کے اخلاق وکردار کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

ہمہ جہت شخصیت

مولانا مناظر احسن گیلانی کی شخصیت کئی اعتبار سے متعدد الجہت کہلا سکتی ہے، ان میں خصوصیت کے ساتھ آپ کی قلمی وتحریری خدمات نمایاں ہیں، آپ نے بہت لکھا، مگر سب کا سب معیاری اور تحقیق وتدقیق کا اعلیٰ نمونہ ہے۔آج کے دور میں جب کہ فاضل سے فاضل تخصص کی بھی پسند اور کار نمایاں کے اعتبار سے مختلف تخصصات ہیں، آپ کی شخصیت زیادہ نمایاں اور قابل قدر معلوم ہوتی ہے کیونکہ اسلامی علوم فنون کے کتنے ہی شعبے ایسے تھے جو آپس میں مختلف بلکہ متضاد صفات کے حامل ہونے کے باوصف آپ کی تحریر کی جولان گاہ بنے ہوئے تھے، مولانا سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن نے لکھا ہے اور بجا لکھا ہے۔

> آپ ۱۹۴۰ء کے بعد علمی دنیا کی فضا میں ہر طرف چھائے ہوئے تھے۔معارف، برہان، الفرقان، مجلّہ عثمانیہ، عثمانیہ یونیورسٹی کے اسٹاف میگزین، ندیم، صدق وغیرہ ان کے قلم کی بارش سے سیراب ہو رہے تھے۔ان کے مضامین کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ وہ کبھی عالم، کبھی متکلم، کبھی فقیہ، کبھی محدث، کبھی مفسر اور کبھی مورخ کے رنگا رنگ جلوؤں میں نظر آتے تھے۔(۲۱)

تصلب فی الدین

مولانا گیلانی تصلب فی الدین اور دینی معاملات میں مومنانہ روش پر پوری طرح بلکہ پوری ایمانی قوت کے ساتھ کاربند تھے، اور اس معاملے میں بھی وہ علمائے حق کے صحیح معنیٰ میں ترجمان تھے، یہی وجہ ہے کہ جب کبھی بھی دینِ حق کے بارے میں کسی بے اعتدالی یا آزادروی کو دیکھتے تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برداشت نہ کر سکتے تھے، مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ جب طویل بیرونی سفر سے واپس آئے تو کچھ اس قسم کے خیالات کا اظہار شروع کیا جن میں توازن کی سخت کمی تھی، اور جو بڑی غلط فہمیوں اور مغالطوں کا باعث ہو سکتے تھے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے ہر قسم کے تحفظات کو ترک کرتے ہوئے کھل کر ان کے خیالات کی تردید کی، اور ایک پرزور مقالہ لکھا، (۲۲) بعض اہلِ علم نے آپ کو حسنِ ظن اور نرمی سے کام لینے کی تلقین کی تو اپنی اس شدت کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

> میرا تو مقصود ہی اس سے ''حدی را تیز ترمی خواں چو ذوق نغمہ کم یابی'' تھا، یہی بتانا چاہتا تھا کہ خواہ وہ ہماری جماعت ہی کا آدمی کیوں نہ ہو، لوگوں میں اس کی بڑائی جس حد تک بھی مسلم ہو لیکن حق کا قدم جب درمیان میں آئے گا تو پھر کسی کا کچھ لحاظ نہیں کیا جائے گا خواہ کوئی ہو ولو ان فاطمة بنت محمد (اعاذها الله تعالیٰ) سرقت لقطعت یدها ہمارے دین کا امتیازی نشان ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا مرنے سے پہلے العیاذ باللہ میں بھی اس کا قائل ہو جاؤں گا کہ ابو حنیفہؒ کی فقہ عجمیوں کے قانون سے متاثر ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سرزمین عرب کے ایک خاص تاریخی دور کی اصلاح کی حد تک محدود ہے، قرآنی قوانین کی حیثیت صرف مثالی باتوں کی ہے، بخاری و مسلم، انجیل و توراۃ جیسی محرف کتابوں کے ہم وزن ہیں، العیاذ باللہ کیا میں اپنی خودی کے اعتماد کو خدا اعتمادی سمجھنے لگوں گا، قبل اس کے کہ میرے اندر خدانہ خواستہ اس قسم کے خیالات کی صداقت واضح ہو، اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اس دنیا سے اٹھا لے۔ (۲۳)

حمیت دینی

یہ واقعہ تصلب فی الدین کے ساتھ ساتھ آپ کی دینی حمیت کا بھی شاہد عدل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ دینی معاملات میں بہت غیور اور حساس تھے، ایک صاحب پروفیسر محمد اجمل خان (۲۴) نے ترتیب و تدوین قرآن پر ایک مقالہ لکھا، جو اخبار ''مدینہ'' (بجنور) میں شائع ہوا (۲۵) اس میں انہوں نے مستشرقین کی یہ رائے پیش کی تھی کہ قرآنِ حکیم کو سمجھنے کے لئے اس کی ترتیب نزول کو جاننا بنیادی اہمیت کا حامل ہے، اس قسم کے خیالات سے عام آدمی کے ذہن کا پراگندہ اور شکوک کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شکار ہونا لازمی امر تھا، اس لئے مولانا گیلانی سے یہ سب کچھ برداشت نہ ہوسکا، اور ایک طویل مضمون لکھ کر اس خیال کی تردید کردی، یہ مضمون تدوین قرآن کے نام سے شائع ہوا، اس میں آپ نے قرآنِ حکیم کے عہدِ رسالت ہی میں مرتب ہونے کو قطعی دلائل سے پیش کیا تھا۔ یہ کتاب لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی اور اس موقع پر مولانا کے احساسات اور جذبات کیا تھے؟ اس بارے میں مولانا گیلانی خود اپنے ایک خط میں مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کو لکھتے ہیں۔

آپ کو شاید میرے جنون کا حال معلوم نہیں، اجمل نامی پروفیسر کے نام سے ''مدینہ'' میں مضامین کا ایک سلسلہ شروع ہوا، غصہ آرہا تھا، دبا نہ سکا، رات کو قلم لیا پراگندہ خیالات سمیٹے، لکھ کر بھیج دیا۔(۲۶)

وسعت خیال

مولانا گیلانی کا مطالعہ جس قدر وسیع تھا، اسی قدر آپ کے خیالات میں بھی توسع تھا، دوسروں کی آرا، مسلک ومکاتب فکر کا پوری طرح احترام کرتے، اور اس معاملے میں بہت وسیع القلب اور وسیع الخیال تھے، مولوی غلام محمدؒ لکھتے ہیں:

مولانا کے قلب اطہر میں ملت محمدیہ کی محبت اور اس پر شفقت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ مسلمانوں کی فلاح سے ایسے مسرور ہوتے تھے کہ جیسے خود ان کو کوئی ذاتی فائدہ پہنچ گیا ہو۔ وہ مشرباً پکے حنفی تھے۔ مگر یہ ان کے جذبہ شفقت کا اثر تھا کہ زبانی بھی اور تحریراً بھی اس بات پر بہت زور دیتے تھے کہ موجودہ حالات میں علمائے کرام کو عام مسلمانوں کے لئے سہولت ہی کا پہلو اختیار کرنا چاہئے۔ خواہ اس میں مسلک حنفیہ کو چھوڑ کر کسی اور مسلک کی اقتدا کیوں نہ کرنی پڑے۔(۲۷)

مولانا عبدالماجد دریابادی اس بارے میں اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

اور یہ بات حرف حرف صحیح ہے۔ مولانا باوجود پورے حنفی بلکہ پورے دیوبندی ہونے کے بڑا ہی وسیع مسلک رکھتے تھے اور متقشف بھی نہ تھے۔ فقہا کے کمال احترام وکمال تسلیم کے باوجود ان کے اقوال کو کتاب وسنت کے درجے پر رکھنے کے قائل نہ تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ احکام نہیں ہیں۔ حکم دینے کا حق تو بس اللہ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے رسول ہی کو ہے۔باقی یہ دینی اور شرعی مشورے ہیں اور نہایت اہم مشورے جیسے طب وغیرہ دوسرے فنون کے ماہرین کے ہوتے ہیں۔(۲۸)

وسعت مطالعہ

مولانا گیلانی کا وسعتِ مطالعہ قابلِ رشک، اور ہم جیسے طالب علموں کے لئے یقیناً قابلِ تقلید تھا، اور آپ کی زندگی کا یہ پہلو کسی دعوے کا محتاج ہے نہ کسی دلیل کا طلب گار، آپ کی کتب سمیت آپ کا چھوڑا ہوا تحریری ذخیرہ مکمل طور پر اس کا شاہد عدل ہے۔مولانا کی کسی متوسط اور مطول کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے اس کا پہلے خاکہ بنا کر سامنے رکھ لیا تھا، پھر جب اس خاکے میں رنگ بھر گیا تو انہوں نے برش اٹھا کر الگ رکھ دیا کہ لو تصنیف تیار ہوگئی۔ ایسا بھی نہیں ہوا کہ کسی مقام پر ان کی معلومات کا خزانہ ختم ہوگیا ہو۔ان کے افکار وخیالات نے اپنی کم مائیگی و بے بضاعتی کا اعلان کردیا ہو یا ان کا قلم چلنے سے عاجز آ گیا ہو اور انہوں نے تحریر ونگارش سے ہاتھ کھینچ لیا ہو۔ان کی معلومات کی فراوانی، افکار کی جولانی، خیالات کا جوش، قلم کی روانی ان کے ہر مختصر ومطول میں آغاز سے اختتام تک برقرار رہتی ہے۔وہ قلم کو روکتے ہیں تو کسی رسالے کے صفحات میں گنجایش کی کمی، کسی ناگزیر مصروفیت یا بعض اوقات بیماری یا کسی خاص عذر کی بنا پر روکتے ہیں اور کئی برس کے وقفے بعد جب مانع دور ہوجاتا ہے۔تو پھر وہیں سے اپنی تحریر کا آغاز کردیتے ہیں جہاں سے چھوڑا تھا۔(۲۹)

کتابوں کی قدر دانی

غالباً کتابوں کی قدر روانی ہی کا ذوق تھا جس نے آپ کے مطالعے کو وسیع کیا اور ذہن رسا کو مزید جلا بخشی۔آپ کا ذوق کتاب داری بھی نہایت اجلا، ستھرا اور اسلافِ رفتہ کی یادگار تھا، آپ نئی کتب کی تلاش میں بے چین رہتے، کوئی کتاب ملتی تو بالاستیعاب مطالعہ کرکے اس کے بارے میں اپنے تاثرات سے آگاہ کرتے، قابلِ گرفت بات ہوتی تو مطلع فرماتے اور کتاب پسند آتی تو دل کھول کر سراہتے۔اور تعریف کرنے میں کسی کمی کے قائل نہ تھے۔(۳۰) کہیں کسی کتاب کا سراغ ملتا تو اسے پانے کی کوشش کرتے، خصوصاً عربی کتب ومجلات کے بہت شائق تھے، بیرونِ ملک اپنے احباب ومتعلقین کو آپ کے خطوط میں کتابوں کے حوالے جابجا نظر آتے ہیں، مولوی غلام محمد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو ایک خط لکھتے ہیں۔

ہاں صاحب! ایک بات جسے بار بار پوچھنا چاہتا ہوں، مگر عین وقت پر بھول جاتا ہوں، وہ یہ ہے کہ پاکستان مغربی کے شہروں کراچی، لاہور، حیدرآباد، پشاور وغیرہ میں عربی کتابوں کا بھی کوئی تجارتی کارخانہ ہے؟ ایک خاص ضرورت سے یہ سوال کرر ہا ہوں۔ کاش آپ اس کو یاد رکھیں یا کسی بڑے مولوی صاحب سے جو کتابوں کا ذوق رکھتے ہوں، ان سے دریافت فرمائیے۔ فلمیات، کوکیات اور عصری سیاست کے سوا ٹھوس علمی واسلامی موضوع پر بھی کوئی رسالہ کہیں سے نکلتا ہے؟ عربی ممالک کے سفارت خانوں میں اپنے اپنے ملک کے رسائل ومجلات آتے ہوں گے۔ کیا ان کی فہرست مل سکتی ہے؟۔(۳۱)

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ایک بار دمشق سے آپ کی خدمت میں خط لکھا یہ خط آپ کے پاس ایسے وقت پہنچا جب آپ سخت علیل تھے، اور بیماری کے ایام گزار رہے تھے، مگر دمشق کا نام سن کر آپ کے ذوقِ کتاب اور نئی کتب دیکھنے کی تڑپ مزید بڑھ گئی۔ آپ نے جواب میں لکھا۔

سب سے زیادہ تڑپ دل میں ان کتابوں کی پیدا ہورہی ہے جن سے شام کے کتب خانے پٹے پڑے ہوں گے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ وابن قیم، علامہ ذہبی، السبکی وآلہ کے وطن میں جو کچھ مل رہا ہو اسے ملنا ہی چاہئے یوم المحاضرہ کے بعد تو ہفتہ بھر آپ کا ان ہی چیزوں کی سیر وتماشے میں بسر ہوتا ہوگا، معلوم نہیں کہ دول الاسلام ذہبی کا مکمل نسخہ اور مراۃ الزمان ابن الجوزی السبط کی طباعت کا انتظام کیا گیا ہے، جی چاہتا تھا کہ مرنے سے پہلے کم از کم دونوں کتابوں کے مطالعے کا موقع مل جاتا، ابن عساکر کی تاریخ دمشق خدا جانے مکمل ہوکر بازار میں آگئی یا نہیں، میرے پاس تو صرف ابن بدران کی تلخیص کی ساتویں جلد تک ہے۔(۳۲)

اسی طرح ایک بار مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ ہی کو ایک خط میں مولانا کے والد مولانا سید عبدالحی رحمہ اللہ کی مشہور عالم تالیف نزہۃ الخواطر کے بارے میں اپنے تاثرات ذکر کرتے ہوئے لکھا:

یہ واقعہ ہے کہ آپ کے والد مرحوم کی چیزوں سے یوں تو مجھے بچپن ہی سے خاص دل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چھپی رہی ہے، لیکن نزہۃ الخواطر کی قدر و قیمت مجھ پر اس کتاب کے لکھتے وقت جتنی ظاہر ہوئی اس سے پہلے نہیں ہوئی تھی۔ اللہ کے اس مخلص بندے نے کمال کر دیا ہے، سمندروں کو کھنگال گئے، لیکن پتہ بھی چلنے نہ دیا۔ خدا کرے کہ ان کی محنت سے دنیا کو استفادے کا موقع مل جائے، ایک انقلابی کام ہے جسے وہ کر کے چلے گئے ہیں۔ اب یہ ہم لوگوں کی توفیق کی بات ہے کہ اس سے خود مستفید ہوں اور دوسروں کے مستفید ہونے کے مواقع پیدا کریں۔ (۳۴)

انکساری و فروتنی

اس قدر بلند و بالا شخصیت، اس قدر ذمے دار و اہم عہدوں پر فائز رہنے اور شہرت و عزت کی تمام اہم منازل طے کر لینے کے باوجود آپ کی خصوصیت یہ تھی کہ عجز و فروتنی میں بھی آپ کمال کے درجے پر فائز تھے، آپ کی اس خوبی کو بھی آپ کے تمام معاصرین نے بیان کیا ہے، اور دل سے اس خوبی کا اعتراف کیا ہے۔ مولانا عبدالباری ندوی فرماتے ہیں:

مولانا مرحوم میں جو بھی کمزوریاں رہی ہوں، اور معصوم کون بشر ہوتا ہے، لیکن جہاں تک دل کا تعلق ہے کہنا چاہئے کہ اس کی تمام بیماریوں سے ان کو پاک ہی پاک پایا۔ بغض وحسد، انتقام و عداوت، ریا و نفاق، نمود و نمائش، حرص و ہوس، طول امل وغیرہ کے نفسانی جذبات کا کوئی داغ دھبہ یاد پر زور ڈالنے سے بھی ان کے آئینہ دل پر پڑتا خصوصاً ٹھہرتا قطعاً یاد نہیں پڑتا۔ ہمارے علم و قلم کے اونچے نام والے صلحا بھی ذرا ٹھنڈے دل سے خود اپنے دلوں کا محاسبہ فرما دیکھیں، تب ہی دل کی ان بیماریوں کی ہمہ گیری اور گیلانی جیسے صاحبِ علم و قلم کی ان سے اتنی استثنائی و کرامتی دوری کی قدر و قیمت معلوم ہوگی۔ سارے اخلاقی رذائل یا باطنی امراض سچ پوچھئے تو کبر و نخوت، خود بینی و خود پرستی ہی کی شیطانی ذریت یا انڈے بچے ہوتے ہیں مگر مولانا کی ہر شان پر غالب خود فراموشی یا فنائیت تھی، کچھ تو پیدا ہی مست و فانی ہوئے تھے، کچھ ذہانت و ذکاوت کی افراط کا لازمہ بھی عموماً کچھ نہ کچھ مستی و ربودگی ہی دیکھی جاتی ہے۔ پھر وجودی توحید جو مولانا کا خاص مذاق تھا یہ نام ہی صحیح معنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ''خودی'' سے گزر جانے یا اس کے فنا ہو جانے کا ہے۔(۳۴)

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ کے انتقال پر دارالعلوم میں ایک تقریب کے انعقاد کی تجویز ہوئی، مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اس اجتماع میں شرکت کے لئے مولانا گیلانی کو خط کے ذریعے دعوت دی اور درخواست بھی کی، مولانا گیلانی نے اس کا جواب ایک طویل خط کی صورت میں دیا، جس میں شرکت پر آمادگی بھی ظاہر کی، اس خط کا یہ حصہ ملاحظہ کیجئے، اپنی انا اور ذات کو کس طرح فنا کر دیا ہے۔

> آپ نے اپنے اس نوازش نامے میں اس فقیر کے متعلق جن غیر استحقاقی الفاظ کا استعمال فرمایا ہے کہ ان کو پڑھ کر بے ساختہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑے، واقعہ یہ ہے کہ ان کی زندگی میں بھی اس کا اعتراف کرتا رہا اور اب تو مجسم اعتراف ہوں کہ ان کے فضائل و کمالات سے دور کی بھی نسبت میرے ہفواتی فربورات کو نہ تھی، قلم کے دائرے میں ان کی قلم کاریاں صدیوں تک ان شاء اللہ کام آئیں گی، دنیا ان کی قدر و قیمت کا اب اندازہ کرے گی، بہر حال آپ جیسے سعید قلوب کے حسن ظن کو اپنی مغفرت کا ذریعہ سمجھتا ہوں **بل الانسان علی نفسه بصیره**۔(۳۵)

یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ مولانا گیلانی کی تحریریں ان کی زندگی ہی میں دلچسپی پڑھی جاتی تھیں، بلکہ ان کا انتظار کیا جاتا تھا۔ اور آپ کی وفات کے بعد تو اب آپ کی تحریروں سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد ہزاروں نہیں لاکھوں سے متجاوز ہوگی، مگر مولانا کا اپنی تحریروں کے بارے میں کیا خیال تھا، مولانا حکیم نصیر الدین ندوی کے نام خط میں لکھتے ہیں:

> میرے پراگندہ خیالات اور قلمی ہفوات کا آپ نے ذکر فرمایا ہے، کیا واقعی آپ ان کو پسند فرماتے ہیں؟ میں تو جبراً لوگوں کی خاطر سے لکھ دیتا ہوں۔(۳۶۵)

سادگی وبے تکلفی

انکساری کے ساتھ ساتھ نہایت سادہ مزاج اور بے تکلیف شخصیت کے حامل تھے، ساری زندگی اسی سادگی میں بسر کی، آپ کا کبھی تکلفات سے واسطہ نہ رہا، مولانا عبدالباری ندویؒ کے بقول:

حیدر آباد میں ان کو مرشد بھی اس رنگ میں شرابور ملے۔ حال و قال سب کے مست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی مست، بیداری کا ہر لمحہ سرور و مستی کا دیکھا، جس کی آنکھوں میں خدا کی عظمت و کبریائی، اتنی سما گئی ہو کہ اپنی پرائی کوئی دوسری ہستی "ہستی" ہی نہ دکھائی دیتی ہو، اس کو من و تو یا اپنی کبریائی اور بڑائی دوسروں پر جتانے جمانے کا ہوش کیا رہ سکتا ہے، خود فراموشی کا عالم مولانا کی ظاہری زندگی پر بھی اتنا چھایا رہتا کہ کھانا پینا، سونا جاگنا ہر چیز کسی نظم و انتظام سے قطعاً آزاد رہتی، خود تو کیا تہہ فرماتے نوکر بھی آزاد رہتا، اگر وہ بھی تہہ نہ کرتا تو دن رات بستر تک الجھا ہی پڑا رہتا۔ (۳۷)

ذھانت وطباعی

آپ کی تحریر فرمودہ کتب ومضامین کی مقبولیت کا راقم کی نظر میں ایک اہم سبب آپ کی ذہانت وطباعی، نکتہ رسی ونکتہ آفرینی کا خاص ملکہ ہے، آپ بات سے بات نکالتے اور ایک بحث کو تکمیل تک پہنچانے کی غرض سے کئی ایک مباحث چھیڑ دیتے تھے، اور پھر بات سے بات اور نکتے سے نکتہ نکلتا چلا جاتا، یہی خوبی آپ کے قاری کو اپنی سحر انگیزی کی گرفت میں لے لیتی ہے، مگر یہ یہاں کا موضوع نہیں، اس پر گفتگو ان شاء اللہ آپ کے اسلوب تحریر کے ضمن میں ہوگی، سرِ دست آپ کی ذہانت وطباعی کا ذکر مقصود ہے، یہ خوبی بھی آپ کی ہر تحریر میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، تاریخ مباحث ہوں یا فقہی موشگافیاں سبھی معاملات میں آپ نے اپنی نکتہ رس طبیعت اور ذہانت سے مسائل کے استنباط واستخراج میں خوب کام لیا ہے، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ کے بقول:

> وہ بہت سی ایسی نئی باتیں لکھ دیتے ہیں، جن کی طرف عام طور پر ذہن نہیں جاتا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا نکتہ رس اور نکتہ آفریں ذہن عطا فرمایا تھا، قرآن مجید کی وہی آیات اور صحاح کی وہی احادیث اور تاریخ کے وہی بیانات جو ہم آپ بیسویں بار پڑھ چکے ہیں، مولانا ان سے ایسے حقائق ثابت کر دیتے اور ان سے ایسے عجیب لیکن صحیح نتائج نکالتے کہ حیرت ہوتی۔ (۳۸)

شیریں بیانی

مولانا کی شیریں بیانی بھی مسلم تھی، آپ شیریں سخنی اور شگفتہ بیانی کے سبب بھی ہر محفل میں نمایاں مقام حاصل کر لیتے تھے۔ مولانا سید صباح الدین عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ بڑے شیریں بیاں مقرر بھی تھے۔ یہ برابر خبر ملتی تھی کہ حیدرآباد میں عید میلاد النبی کے موقع پر حضور نظام خاص طور پر ان کی تقریر سننے کے لئے شریک ہوتے ہیں۔ وہ اپنی تقریروں میں دلچسپ قصے اور لطیفے بیان کرتے، جن سے سامعین بہت محظوظ ہوتے، ان کو واعظانہ رنگ کے علاوہ تبلیغی، علمی اور کبھی کبھی سیاسی تقریر کرنے میں بڑی قدرت حاصل تھی، وہ اپنی تقریر کی ''متین شوخی'' سے لوگوں کو ہنساتے تو اپنے عالمانہ استدلال اور عارفانہ نکتہ وری سے ان کو متاثر بھی کرتے تھے۔ (۳۹)

خطابت

شیریں بیانی کے ساتھ ساتھ آپ ایک عمدہ مقرر بھی تھے، اگرچہ شیریں بیانی کا اظہار بھی خطابت ہی کے ذریعے ہوتا ہے، مگر خطابت کے دیگر لوازم بھی آپ کے ہاں بدرجۂ اتم پائے جاتے تھے۔

ان کی تقاریر کا سب سے اہم موضوع ''سیرت نبوی'' ہوتا تھا۔ سیرت نبوی کے جلسے اور مولود کی مجالس ان کا میدان تھا۔ یوں تو حیدرآباد دکن میں یہ جلسے ہمیشہ ہی ہوتے رہتے تھے۔ لیکن ربیع الاول کا مہینہ تو اس قسم کے جلسوں کا گویا موسم بہار ہوتا تھا۔ حیدرآباد میں خودِ نظام صاحب اور پھر مسلمان امرا کے دینی ذوق اور علما کی سرپرستی کے جذبے نے ان مجالس کے فروغ میں خوب حصہ لیا تھا۔ اور مولانا گیلانی ایک مقرر اور خطیب کی حیثیت سے اس ماحول کی ایک مشہور اور مقبول شخصیت بن گئے تھے، پھر جامعہ عثمانیہ اور اس کے شعبہ دینیات کے تعلق نے ان کی شہرت کو گھر گھر پہنچا دیا تھا۔ ربیع الاول کے مہینے میں ان کی کوئی شب جلسے سے خالی نہیں جاتی تھی۔

ان کی شیریں بیانی اور انداز خطابت نے بھی انہیں ان مجالس کا محبوب مقرر بنا دیا تھا۔ ان کی تقاریر کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ اہل علم کی مجالس سے لے کر عوام کے جلسوں تک یکساں مقبول تھیں۔ پورا شہر ان کی تقاریر کا والا و شیدا تھا۔ ان کی تقاریر نے مسلمانوں کے عقائد کو درست کیا، اعمال کی اصلاح کی، غلط رسوم و رواج سے تنفر پیدا کیا اور اپنے زمانے میں حیدرآباد میں اسلامی زندگی کی ایک لہر دوڑا دی تھی۔ (۴۰)

آپ کی طلاقتِ لسانی اور خطابت تو مشہور ہے ہی آپ علمی مسائل بھی اس شستگی سے بیان کرتے تھے کہ عام اور معمولی پڑھا لکھا فرد بھی پوری طرح لطف اندوز ہوتا تھا۔ نواب بہادر یار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جنگ جیسا مسلمہ خطیب بھی آپ کو اپنا استاد کہتا ہے۔ مولانا گیلانی کی خطابت کے لئے یہ بہت بڑی گواہی ہے، انہوں نے لکھا تھا:

گو کبھی زانوئے تلمذ آپ کے سامنے تہہ کرنے کی عزت حاصل نہیں کی، لیکن تقریر وخطابت میں ہمیشہ آپ کو اپنا امام سمجھتا رہا ہوں۔ (۴۱)

اور مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آپ کا جو والہانہ اسلوب تحریر میں پایا جاتا تھا وہی والہانہ رنگ تقریر میں بھی تھا، آپ اپنے علم وفضل، معلومات، کثرتِ مطالعہ، دقتِ نظر، نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی میں نادرۂ روزگار تھے۔ (۴۲)

صاحبِ دل شخصیت

مولانا کی سب سے اہم خوبی یہ تھی کہ وہ صاحبِ قال ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ حال بھی تھے، آپ کا یقیناً لکھنے پڑھنے، تحقیق وتدقیق اور درس وتدریس سے بڑا اہم اور براہ راست تعلق تھا، لیکن اس تعلق نے آپ کو جامد اور خشک مزاج نہیں بلکہ مزید لطیف اور شفیق بنادیا تھا، اور جب معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا تو ان کی شخصیت بالکل تبدیل نظر آتی تھی۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے بقول:

وہ اپنے حلقہ احباب میں بڑے محبوب اور اپنے حلقہ تلامذہ ومستفیدین میں بڑے مقبول تھے، اور جو ان کی صحبت میں ایک مرتبہ بیٹھ جاتا وہ یہ کہتا ہوا اٹھتا:

بہت لگتا ہے جی صحبت میں ان کی

اسی اثنا میں اگر نماز کا وقت آجاتا تو مولانا حاضرین یا صاحب خانہ کے اصرار سے مصلے پر تشریف لے جاتے، ان کی قرأت میں بڑا سوز اور حلاوت تھی، قلب پر اس کا اثر پڑتا اور جی چاہتا کہ قرأت طویل ہو۔ (۴۳)

خوش مزاجی

مولانا کی مجالس میں بیٹھنے والے ہر صورت میں محظوظ ہوتے تھے، ان کی علمیت اور تحقیق وتدقیق سے بھی اور لطائف وشگفتہ واقعات، مترنم لہجے میں پڑھے جانے والے اشعار سے بھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ نے خوش طبعی وشگفتہ مزاجی سے بھی حصہ وافر پایا تھا، اور ذوق سلیم وذوق مزاح سے بھی بہرہ انداز ہوئے تھے۔ مولانا عبدالباری ندوی نے مقدمہ مکاتیب گیلانی میں جہاں آپ کی شخصیت کے بہت سے پہلوؤں کا بہ نظرِ غائر جائزہ لیا ہے وہیں اس پہلو پر بھی لکھا ہے، مولانا لکھتے ہیں:

> مولانا کی زندگی کا ایک اور گوشہ خوش طبعی ومزاح پسندی کا تھا۔ جو کبھی کبھی مزاح کے حدود سے بہت آگے بڑھ جاتا۔ بلکہ اگر کوئی اس ڈھب کا بزِ اخفش ہاتھ لگ جاتا تو اس کو کھلا پلا کر مستقلاً تفریح طبع کا تختۂ مشق بنائے رکھتے۔ حیدر آباد کے آخر زمانے میں بز اخفش کا یہ منصب سالہا سال تک خود اپنی مسجد الحی کے امام کو عطا رہا! یوں بھی کوئی موقع پا جاتے چوکتے ہرگز نہیں۔ ہم دونوں کے ایک اچھے دوست نے کسی تعلیم یافتہ مطلقہ خاتون سے شادی کر لی۔ جو ساتھ کچھ اولاد بھی لائیں۔ وظیفہ یاب ہو کر مولانا وطن میں تھے۔ تاہم یہ خبر پا کر ضبط نہ فرما سکے، کچھ اشعار دوسرے کے نام سے موزوں فرما کر تفریحی مبارک باد پہنچا کر رہے۔ (۴۴)

مسجد اقصیٰ کے مؤذن ایک دل چسپ بزرگ تھے، جن سے اکثر مولانا مطایبہ فرماتے اور ان کی سادگی سے لطف لیتے۔ مولانا نے ان کا نام ''امام مفرح القلوب'' رکھا تھا۔ (۴۵)

شاعری

مولانا گیلانی نے جس ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں۔ وہ شعر وسخن کے چرچوں سے خالی نہ تھا۔ ان کے عم محترم اور استاد سیّد ابو نصر شعر وسخن سے دل چسپی رکھتے تھے۔ مولانا گیلانی جن دنوں ٹونک میں زیر تعلیم تھے، اس دوران اردو ادب کا ذوق ان پر غالب تو نہ تھا، لیکن ایک گونہ اس سے تعلق ضرور تھا۔

پھر مولانا گیلانی کئی زبانوں میں گہری نظر وعبور رکھتے تھے۔ اردو تو ان کی مادری زبان تھی۔ فارسی اور عربی کی تحصیل مدارس میں کی تھی۔ انگریزی زبان سے بھی کسی قدر واقفیت پیدا کر لی تھی۔ اور ہندی سے بھی کسی حد تک آشنا تھے۔ البتہ مگدھی یا جدید بہاری زبان سے بخوبی واقف تھے۔ ان کی تحریروں میں اس کے الفاظ اور جملے بے تکلفانہ استعمال ہوئے ہیں۔ اور ان کی نعت ان کی واقفیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ فارسی میں بھی ان کی منظومات یادگار ہیں۔ اس طرح اردو شاعری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے انہیں ٹونک کے زمانہ طالب علمی میں جو دلچسپی پیدا ہوئی تھی وہ زندگی بھر باقی رہی۔ نظم، نعت، مرثیہ، نوحہ، مثنوی وغیرہ اصناف میں ان کا کلام یادگار ہے۔ متعدد نظمیں اور نعتیں ان کے ذوق شاعری کا ثبوت ہیں۔ بعض نظمیں مگدھی زبان میں یا بہاری زبان میں بھی ہیں، لیکن یہ بات یادرکھنے کی ہے کہ انہوں نے شاعری سے ایک حد تک ہی تعلق رکھا، اگر اس پر توجہ دیتے تو وہ ایک اچھے شاعر بن سکتے تھے، اور آپ کا وقت کے بڑے شاعروں میں شمار ہوتا۔ وہ اردو فارسی میں ضیا اور ہندی یا مگدھی میں دھرمی تخلص کرتے تھے۔ (۴۶)

اسلوبِ وخصوصیاتِ تحریر

مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب لکھا ہے اور اسلامیات کے تقریباً ہر موضوع پر لکھا، آپ کی بہت سی کتب یادگار ہیں، مگر بقول آپ کے آپ نے کبھی کسی تحریر کے لئے (ایک آدھ کے سوا) کوئی منصوبہ بندی نہیں کی، مولانا سید سلیمان ندویؒ کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

> یہ آپ نے خوب لکھا کہ میں مینہ برسا رہا ہوں۔ سچ عرض کرتا ہوں، لکھنے کے لئے فقیر نے، اب تک خود کچھ نہیں لکھا ہے، جو کچھ بھی ہو جاتا ہے کوئی سر پر سوار ہو کر لکھوالیتا ہے یا اسی قسم کی کچھ مجبوریاں پیش آجاتی ہیں۔ (۴۷)

مولانا گیلانی نے اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز رسالہ ''القاسم'' (دیوبند) کے ایک مضمون سے کیا تھا۔ آپ کا پہلا مضمون ''خیر الامم کا طغرائے امتیاز'' تھا۔ یہ ذیقعدہ، ذوی الحجہ ۱۳۳۱ھ، ربیع الاول، جمادی الثانی، شوال اور ذی قعدہ ۱۳۳۲ء کے چھ شماروں میں بالاقساط شائع ہوا تھا۔ آپ اس کے بعد مسلسل لکھتے رہے، اور بلا مبالغہ ہزاروں صفحات آپ کے قلم سے نکلے۔ جن دنوں ''القاسم'' اور ''الرشید'' کی ادارت وغیرہ کی ذمہ داریاں ان کے ذمے تھیں، بعض اوقات پورا پرچہ ان ہی کی تحریروں پر مشتمل ہوتا تھا۔ ''القاسم'' کے ساتھ ''الرشید'' میں ان کے مضامین کا تانتا بندھا رہا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا، بالخصوص ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۰ء کے عشرے میں، جب وہ برصغیر کے علمی رسائل پر چھائے رہے، تفسیر وحدیث، فقہ، تاریخ وسوانح، معاشیات وسیاسیات، فلسفہ وتصوف اور عقائد وکلام کے ساتھ شعر وادب پر بھی انہوں نے قلم اٹھایا ہے۔ مولانا کی تحریریں بالعموم ان کے نام ہی سے شائع ہوتی تھیں، مگر کبھی کبھار ''ابن کبریٰ'' یا ''کبریٰ زادہ'' کے قلمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ناموں کی آڑ بھی لے لیتے تھے۔ ''کبریٰ خاتون'' ان کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی تھا، اور اسی سے یہ کنیتیں بنائی گئی تھیں۔ (۴۸)

ذیل میں کوشش کی گئی ہے کہ آپ کی تحریر کے مختلف پہلوؤں اور اسلوب کی خصوصیات کو بیان کیا جائے۔

ادبی چاشنی

مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی کے اسلوبِ تحریر کی اہم خوبی اس کی ادبی چاشنی ہے، وہ اسلاف کے اس دور کی یادگار تھے جب ''فقیہ و محدث کے لئے خشک ہونے اور عالم کے لئے شعر کو غیر موزوں پڑھنے کی شرط نہ تھی'' (۴۹) اس بنا پر آپ کی تحریر خشک سے خشک موضوعات بیان کرتے ہوئے بھی خشک نہیں ہوتی بلکہ اس کی جاذبیت برقرار رہتی ہے، یہی چیز ان کی تحریر کو مقبول بناتی ہے۔ آپ کی یہ خصوصیت آپ کی تحریر میں موجود ہے مگر خصوصیت سے ''النبی الخاتم'' قابلِ ذکر ہے، جس کو بعض اہل قلم نے سیرت طیبہ کے موضوع پر ''البیلی تحریر'' (۵۰) بھی قرار دیا ہے، اور مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کہتے ہیں:

> میں نے ساری عمر میں سیرت نبوی میں رحمۃ للعالمین اور النبی الخاتم سے زیادہ موثر کتاب نہیں پڑھی۔ (۵۱)

اس خوبی کو ملاحظہ کرنے کے لئے ذیل کا پیرا دیکھئے:

> یوں آنے کو تو سب ہی آئے، سب میں آئے، سب جگہ آئے (سلام ہو ان پر) بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے، لیکن کیا کیجئے کہ ان میں جو بھی آیا جانے ہی کے لئے آیا۔ پر ایک اور صرف ایک جو آیا اور آنے ہی کے لئے آیا، وہی جو اُگنے کے بعد پھر کبھی نہیں ڈوبا، چمکا اور پھر چمکتا ہی چلا جا رہا ہے، بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے، چڑھا اور چڑھتا ہی چلا جا رہا ہے، سب جانتے ہیں اور سب ہوں کو جاننا ہی چاہئے کہ جنہیں کتاب دی گئی اور جو نبوت کے ساتھ کھڑے کئے گئے، برگزیدوں کے اس پاک گروہ میں اس کا استحقاق صرف اسی کو ہے اور اس کے سوا کس کو ہو سکتا ہے جو پچھلوں میں بھی اس طرح ہے کہ جس طرح پہلوں میں تھا، دور والے بھی اس کو ٹھیک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح پا رہے ہیں اور ہمیشہ پاتے رہیں گے جس طرح نزدیک والوں نے پایا تھا، جو آج بھی اسی طرح پہچانا جاتا ہے، اور ہمیشہ پہچانا جائے گا، جس طرح کل پہچانا گیا تھا کہ اسی کے اور صرف انہی کے دن کے لئے رات نہیں، ایک اسی کا چراغ ہے جس کی روشنی بے داغ ہے۔ (۵۲)

تحریر کی جاذبیت

آپ کی ہر تحریر اپنے موضوع پر مفصل معلومات فراہم کرتی ہے، لیکن اسلوب کچھ ایسی نوعیت کا ہوتا ہے کہ قاری اکتاتا نہیں بلکہ تحریر کے بہاؤ کے ساتھ ہی بہتا چلا جاتا ہے، اس کی دل چسپی ایک لمحے کو بھی کم نہیں ہو پاتی، وہ تحریر اور اس میں موجود معلومات کے سحر میں کچھ اس طرح کھوتا ہے کہ اسے علم تک نہیں ہوتا کہ وہ کسی موضوع پر غور کرتے ہوئے کہاں سے کہاں آ پہنچا ہے۔

بات سے بات

آپ کی تحریر میں قاری کو معلومات بہت ملتی ہیں، اس کی ضرورت، خواہش اور امید سے کہیں زیادہ مواد اسے مل جاتا ہے، اس کا سبب وسعتِ مطالعہ کے بعد یہ ہے کہ مولانا گیلانی بات سے بات پیدا کرتے ہوئے آغاز کلام کے مقام سے بہت دور نکل جاتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود تحریر کا فکری ربط کہیں نہیں ٹوٹتا، اور اس کی معنویت کہیں مجروح نہیں ہوتی اور قاری کی دل چسپی برقرار اور گل افشانیِ تحریر اور رنگینیِ بیان میں اس کی محویت قائم رہتی ہے۔ ان کے جملہ ہائے معترضہ جملوں کے حدود میں نہیں رہتے، مفصل عبارتوں تک اور ضمنی مباحث، ضمنی نہیں رہتے مستقل بحثوں، فصلوں اور ابواب تک پھیل جاتے ہیں۔ اس طرح ان کی ایک فن میں کتاب مختلف علوم وفنون کا خزینہ اور افکار کا گنجینہ بن جاتی ہے۔ (۵۳) آپ نے خود بھی ایک جگہ اس بات کا اظہار کیا ہے۔ ''پاک وہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت'' کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> قلم اٹھایا، لکھنا شروع کیا، اب میں نہیں جانتا کہ پھر کیا ہوا۔ قلم رواں ہوا، چلا، چلتا چلا گیا، بات میں بات کا خیال آتا جاتا تھا، اور میں لکھتا جاتا تھا۔ (۵۴)

اسی بنا پر بعض ناقدین کا یہ بھی کہنا ہے کہ آپ اکثر لکھتے ہوئے اصل موضوع سے ہٹ جاتے ہیں، اور درجنوں صفحات ضمنی بحثوں میں کھپا دیتے ہیں، ایک بات سے دوسری بات نکال لیتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس پر خامہ فرسائی کرتے کرتے بہت دور نکل جاتے ہیں اور جب کئی صفحات کے بعد دوبارہ اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں تو اس وقت تک قاری عموماً سلسلۂ مضمون بھول چکا ہوتا ہے۔(۵۵) لیکن یہ بات مکمل طور پر درست نہیں، ایسا تو ضرور ہوتا ہے کہ مولانا بات سے بات نکالتے ہوئے بہت آگے نکل جاتے ہیں، مگر موضوع سے تحریر کا فکری وعلمی ربط بہرحال باقی رہتا ہے، اور کچھ دور جا کر جب وہ واپس پلٹتے ہیں تو عملی طور پر بھی اپنی بات کو پیچھے چھوڑی ہوئی گفتگو سے پھر منسلک کر دیتے ہیں، ایک مثال اس کی بھی ملاحظہ کیجئے۔ رزقی سرمائے کی محدودیت اور عدم مبسوطیت پر گفتگو کرتے ہوئے آپ کے قلم کا رخ لامحدود خواہشات اور عدمِ قناعت کی جانب ہو جاتا ہے، اور آپ لکھتے ہیں:

> لامحدود خواہشوں والی فطرت کا رخ، ایسے محدود سرمائے کی طرف پھیر دیا گیا ہے، جسے دنیا کی کوئی طاقت لامحدود بنا نہیں سکتی، محدود پر لامحدود کا انطباق چونکہ نہیں ہو رہا ہے، اور نہیں ہو سکتا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ خواہشوں کے جس محدود حصے کی تکمیل کا موقع مل جاتا ہے اس وقت تو آدمی مسرور ہوتا ہے۔ لیکن نہ پورے ہونے والے ارمانوں کا جو قافلہ عدم کی راہ لے رہا ہے، اسی کا ماتم ہے جس کے غم میں اولادِ آدم سوگوار ہے۔ مسکین شاعر نے کتنے دردناک پیرائے میں کہا تھا:
>
> ہوئے ہیں دفن مرے ساتھ سیکڑوں ارماں
> عدم کی راہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا
>
> (مست بہاری)
>
> پھر کیا کیا جائے؟ کیا چھوڑ دیا جائے، اسی حال میں آدمی کو تڑپتا پھڑکتا چھوڑ دیا جائے، یہ سمجھاتے ہوئے چھوڑ دیا جائے کہ:
>
> جت بنا سکے گا، ہرگز نہ کوئی اس کو
> اکبر یونہی چلی ہے دنیا یوں ہی چلے گی (۵۶)

تحریر کے دھنی

مولانا مرحوم کا قلم تحریر کا دھنی تھا، جب وہ چل پڑتا تو پھر کوئی مجبوری ہی اسے روک سکتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی، بڑی سے بڑی کتاب بھی ان کے مطالعے کی وسعت کو نہ پہنچ سکی، جب آپ لکھنے بیٹھتے تو لکھتے ہی چلے جاتے تھے، اور آپ کے لکھنے کی رفتار کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت (حصہ اول) جیسی ضخیم کتاب جو بڑے سائز کے ۳۹۲ صفحات پر مشتمل ہے، صرف ۲۰ روز میں لکھ دی تھی (۵۷)۔ مولانا کی تحریر اور طریقۂ تحریر کی بابت مولانا کے ساتھی مولانا عبدالباری ندویؒ کا بیان ہے:

> لکھنے کا بھی یہی حال کہ نہ لکھتے تو مہینوں سالوں کچھ نہ لکھتے، اور لکھنے پر آجاتے تو دن رات ایک کر دیتے، رات رات بھر پلک نہ جھپکاتے، پہلو میں تکیہ دبائے نیم دراز پلنگ ہی پر لیٹے لیٹے اور اکثر پینسل ہی سے ہفتوں کیا دنوں میں سیکڑوں صفحات کی کتاب پوری کر ڈالتے۔(۵۸)

اور مولانا گیلانی کے شاگرد مولوی غلام محمد مرحوم لکھتے ہیں:

> مولانا فرماتے تھے کہ ان کی کوئی تصنیف بھی باضابطہ تصنیفی پروگرام کے تحت انجام نہیں پائی، یہی ہوتا رہا کہ کسی نے کسی مضمون کی فرمائش کی مولانا لکھنے بیٹھ گئے، جب لکھ چکے تو وہ مضمون نہ رہا بلکہ کتاب تیار ہوگئی، دوسری صورت یہ ہوتی رہی ہے کہ کالج کے لیکچر کی تیاری یا ایم، اے اور پی، ایچ، ڈی کے طلبہ کے مقالات کی رہبری کے سلسلے میں مختلف موضوعات پر جو معلومات فراہم کرنا پڑتی وہ اتنی زیادہ قیمتی تھیں کہ ہر موضوع کی ایک مستقل کتاب خود بہ خود تیار ہوگئی۔(۵۹)

قدیم وجدید کا امتزاج

آپ کی تحریر میں قدیم وجدید کا ایک خوبصورت امتزاج ملتا ہے، آپ موضوع کے بیان کرنے میں نہ صرف اسلاف کے طرزِ تحریر کے متبع تھے اور انہی سا تبحر اور انہی جیسا تفکر وتدقق رکھتے تھے، بلکہ جدید اسلوبِ تحریر سے بھی بہ خوبی آگاہ تھے، اور موضوعِ بحث کی تحلیل فرما کر اسے آسان اور رواں اسلوب میں جدید ذہن کے مطابق بیان کرنے پر بھی پوری قدرت رکھتے تھے، مولانا ابوالحسن علی ندوی آپ کی اس خوبی کے بارے میں لکھتے ہیں:

> کچھ تو مولانا کی افتادِ طبع اور شاید خاندانی لیعت ورفق اور کچھ جامعہ عثمانیہ کے طویل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلق اور جدید تعلیم یافتہ طبقے اور نئی نسل کے مسلسل سابقے نے مولانا کی تحریر و تعبیر میں جدید ذہن کی رعایت اور دینی حقائق کے بیان کرنے میں حکمت و تدریج کا پہلو غالب کر دیا تھا، اور وہ گویا کہ کلموا الناس علی قدر عقولھم کے مشورے پر عمل فرماتے تھے اور اس کو ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة کی تعمیل خیال فرماتے تھے۔ وہ اپنے عقائد و خیالات اور علم میں پورے راسخ و متصلب تھے، لیکن اپنے طرز بحث اور طرز تحقیق و استدلال میں بالکل عصری اور بقول مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ وہ دیوبندی العلم مگر ندوی الفکر یا ندوی القلم تھے۔ (۶۰)

اور مولانا عبدالماجد دریابادی نے ایک جگہ مولانا گیلانی کی اس خصوصیت کے متعلق لکھا ہے:

ان کی ہر تحقیق میں قدامت کا استناد ہے اور ہر تعبیر میں جدت کی تازگی، یہ عجیب حکیمانہ امتزاج ہے اور ان کی فضیلت کا طرۂ امتیاز۔ (۶۱)

نظر ثانی نہ کرتے

مولانا گیلانی کی تحریر کے بارے میں میں تقریباً سب ہی تذکرہ نگار یہ لکھتے ہیں کہ وہ مسلسل تحریر کرتے چلے جاتے تھے، اور اس پر نظر ثانی بالکل نہ کرتے تھے، (۶۲) یہ بات درست بھی ہے، اور آپ نے خود بھی اس بات کا ذکر کیا ہے، خود لکھتے ہیں کہ ''ایک دفعہ جھونک میں لکھنے بیٹھا تو لکھتا چلا گیا، اب پھر اس پر نظر ثانی حکم و اصلاح میرے لئے مشکل ہے۔'' (۶۳) اور آپ نے اس کی وجہ بھی بیان کی ہے، پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت'' کے حصہ دوم کے آغاز میں اس کتاب میں ذیلی عناوین اور خاص تصنیفی و تالیفی ترتیب نہ ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ترتیب مضامین کے متعلق تصنیفی نفسیات کے ایک بہت بڑے ماہر کا مشورہ یہ ہے کہ موجودہ ترتیب کو بدل کر مضامین کی ترتیب کی جو شکل بھی اختیار کی جائے گی، اس میں آورد کی بدمزگی کے ساتھ آمد کا لطف جاتا رہے گا۔ ان کا خیال ہے کہ اس قسم کی کتابوں کو جو محض کتاب بنانے کے لئے نہیں لکھی گئی ہیں بلکہ دوسرے مقاصد کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حصول کا ذریعہ ان کو بنایا گیا ہو، ان کے لئے یہ قطعاً غیر مناسب ہے کہ آب پاشی کی رپورٹ، یا بنیوں کا مدواری کھاتہ ان کو بنا دیا جائے، ان کی رائے ہے کہ جس حال میں کتابت قلم سے نکل پڑی ہے اسی حال میں اس کو چھوڑ دیا جائے۔ (۶۴)

لیکن کلی طور پر اس رائے کو درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ایسے شواہد موجود ہیں جو اس بات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ مولانا گیلانی نظر ثانی بھی فرماتے تھے، مثال کے طور پر اسی کتاب پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت کے اختتام پر دعائے خاتمہ کے عنوان کے تحت آخر میں لکھتے ہیں۔

الحمد الله الذی بعزته وجلاله تتم الصالحات، آج ۴، جنوری ۱۹۴۳ء روز دوشنبہ بعد الظہر اپنے وطن گیلان (بہار) میں اس مبیضے کی نظر ثانی سے فراغت میسر آئی، کہف الایمان گیلان (بہار) (۶۵)

جب کہ اس سے قبل اختتام کتاب پر اپنے نام کے آخر میں آپ نے یہ تاریخ درج کی ہے، ۱۷ ربیع المنور ۱۳۶۱ھ/ پنج شنبہ، جو کہ اپریل ۱۹۴۲ء کے مطابق بنتی ہے۔ اس طرح اس کتاب کی تحریر اور نظر ثانی کے درمیان کوئی چھ سات ماہ کا وقفہ ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح اس جانب ایک ہلکا سا اشارہ آپ کی دوسری تالیف الدین القیم میں بھی ملتا ہے۔ (۶۶)

سادہ و عام فہم اسلوب

آپ کا اسلوب خالص علمی ہونے کے باوجود نہایت سادہ ہے، بھاری بھرکم الفاظ اور غیر مانوس تراکیب سے آپ عموماً اجتناب کرتے ہیں، اور خالص علمی مباحث بھی سادہ بلکہ بعض اوقات تو عوامی اسلوب میں بیان کر جاتے ہیں جس کے نتیجے میں موضوع بحث قاری کو آسان معلوم ہونے لگتا ہے، آپ کی کتاب ''الدین القیم'' اس اسلوب کی بہترین مثال ہے، ایک ٹکڑا ملاحظہ کیجئے کہ اس طرح اس پیچیدہ بحث کو حل کیا ہے، اثباتِ الٰہ کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

آخر انسان کیا کر سکتا ہے؟ اگر نظام ہستی میں خدا کا انکار اس لئے کرتا ہے کہ کسی خود بہ خود ہستی کا تصور اس کے لئے ممکن نہیں تو اب وہ کس چیز کا اقرار کرے گا؟ یہی نا کہ نظام ہستی کی بنیاد خدا پر نہیں بلکہ ایسی ہستی پر ہے جو خود بہ خود ہے۔ اور یہی تو خدا کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تجربے کا پہلا جز تھا۔ دیکھو کہ خدا کے لفظ کا اس نے انکار کیا تھا پلٹ کر پھر اسی خدا تک مادہ پرست اور خدا پرست دونوں اس خود بہ خود ہستی کے اقرار پر اپنے آپ کو بے بس پاتے ہیں۔ خدا پرست تو خدا کا اقرار کر کے اس خود بہ خود ہستی کا اقرار کرتا ہے۔ اور مادہ پرست خدا کا انکار کر کے اس خود بہ خود ہونے والی ہستی کا اقرار کر بیٹھتا ہے جس کا نام وہ مادہ رکھتا ہے بہر حال اس نقطے تک دونوں گروہوں میں صرف نزاع لفظی ہے ایک اس خود بہ خود ہستی کا نام خدا رکھتا ہے اور دوسرا مادہ۔ (۶۷)

نکتہ آفرینی

آپ کے اسلوب کی ایک خصوصیت نکتہ آفرینی ہے، آپ نے بڑا نکتہ آفریں ذہن پایا تھا۔ اور آپ حالات واقعات سے اخذ واستنباط کی بے پایاں صلاحیتوں کے مالک تھے۔ وہ اپنی تالیفات میں جس قدر مواد اکٹھا کر دیتے ہیں، وہ کہیں اور یک جا نہیں ملتا، اور اکثر ایسی باتیں لکھ جاتے ہیں جن کی طرف عام آدمی کا ذہن منتقل نہیں ہوتا (۶۸)۔ مولانا عبدالباری ندوی مرحوم نے ان کے انداز تحریر وتالیف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> مولانا گیلانی کے پاس ماشاءاللہ خیالات، معلومات اور تعبیرات سب کی اتنی بہتات ہے کہ وہ بارہا خود اس میں کھو جاتے ہیں، تاہم ان کے افادات میں استفادے کا بڑا سرمایہ ہوتا ہے اور بیان کی مستی وکیف بھی مخاطب پر وجد طاری کئے بغیر نہیں رہتی۔ باقی یہ بہر حال سچ ہے کہ ان کا اسٹائل سائنٹیفک نہیں، پھر بھی لوگ پڑھتے رغبت وتوجہ سے ہیں۔ (۶۹)

آپ کی تحریر کی یہ خصوصیت ''اسلامی معاشیات'' اور ''تعلیم وتربیت'' میں زیادہ نمایاں نظر آتی ہے۔

مضبوط طرز استدلال

آپ کی تحریر و نگارش کی ایک خوبی آپ کا فلسفیانہ طرز کلام اور مضبوط طرز استدلال تھا۔ فلسفے وحکمت کی تحصیل میں آپ نے کئی برس صرف کئے تھے۔ اس لئے فلسفے کے علم، اصول، کلیات، تاریخ وارتقا اور اس کے انحراف واثبات پر آپ کی نظر بڑی گہری تھی اور اس کا ذوق آپ کے ذہن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں رچ بس گیا تھا۔ اس لئے اس خوبی سے آپ نے اپنی تصنیفات اور مضامین میں اسلامی تعلیمات اور عقائد و مسائل کی تفہیم میں بہت کام لیا ہے۔ (۷۰)

آپ کا یہ زورِ استدلال آپ کی ہر تحریر میں صاف طور سے محسوس کیا جاسکتا ہے، لیکن خصوصیت کے ساتھ ''تدوینِ حدیث'' اور ''پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت'' میں اس کے مظاہر کثرت سے موجود ہیں۔

اشعار کا برمحل استعمال

آپ چونکہ بلند پایہ ادبی ذوق کے حامل اور خود شاعر تھے۔ اس لئے آپ کے پاس اشعار کا برمحل استعمال بھی خوب ملتا ہے اور اشعار بھی تینوں زبانوں، عربی، فارسی اور اردو میں نظر آتے ہیں، آپ کے اسلوب سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ عبارت میں در آنے والا شعر کہیں باہر سے لا کر یہاں جوڑا گیا ہے، بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ شعر در حقیقت اسی موقع کے لئے کہا گیا تھا، چند مثالیں اس سلسلے کی بھی ملاحظہ کیجئے: عقل کی پیچیدگیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> عجیب بات ہے کہ ایسی آسان بات کو مذہب کے نادان دوستوں نے عقلی پیچیدگیوں کا بھول بھلیاں بنالیا اور اسی بنیاد پر اس کے انکار اور اقرار کے متعلق ہر ملک کے اہل علم نے دفتر تیار کر دیئے حتیٰ کہ سعدی کو گھبرا کر کہنا پڑا۔

رہ عقل جز پیچ در پیچ نیست

بر عاقلاں جز خدا ہیچ نیست (۷۱)

کتابتِ حدیث کا پس منظر بیان کرتے ہوئے عربوں کے ہاں کتابت کا عام رواج نہ ہونے کا سبب اس طرح بیان کرتے ہیں:

> عرب کا بدو کتابوں کے طومار کو دیکھ کر مذاق اڑاتا تھا۔ بدوؤں کا یہ عام چلتا ہوا فقرہ تھا: حرف فی تامورک خیر من عشرة فی کتبک (دل میں ایک حرف کا محفوظ رہنا، کتابوں کی دس باتوں سے بہتر ہے) عرب کا مشہور شاعر کہتا ہے:

لیس بعلم ما حوی القمطرا

ما العلم الا ما حوی الصدرا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علم وہ نہیں ہے جو کتاب میں درج ہے، نہیں ہے علم لیکن صرف وہی جو سینے میں محفوظ ہو دوسرا کہتا ہے:

استودع العلم قرطاسا فضیعه
وبئس مستودع العلم قراطیس

جس نے علم کو کاغذ کے سپرد کیا اس نے اسے ضائع کیا۔ علم کے بدترین مدفن کاغذ ہیں۔ (۷۲)

رہِ عقل جز پیچ در پیچ نیست
بر عاقلاں جز خدا ہیچ نیست

مولانا مناظر احسن گیلانی کے بارے میں مشاہیر اہلِ علم کے خیالات

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ ان کے بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ ساتھ ان کے معاصرین نے بھی ان کی خدمات کا کھلے دل سے اظہار کیا۔ جب کہ یہ معاصر وہ تھے جو اپنے اپنے مقام پر خود مرجع خلائق اور اور ان کا مقام اہل علم کے ہاں معتبر تھا، اس لئے ان کا فرمایا ہوا ہر اعتبار سے استناد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:

مولانا سید سلیمان ندویؒ

اس زمانے میں اس فرض کو ادا کرنے کے لئے جو دستہ آگے بڑھا اس کے ہراول میں ہمارے دوست، مناظر اسلام، متکلم ملت، سلطان القلم مولانا سیّد مناظر احسن صاحب گیلانی (متع اللہ المسلمین بطول بقاھۂ) کا نامِ نامی ہے جن کے قلم کی روانی اسلام کی محافظت میں تیغ رانی کا کام دیتی ہے، وہ ہر سال اور سال کے مختلف حصوں میں اپنی تحقیقاتِ علمیہ کے بلند نمونے پیش کرتے رہتے ہیں اور خصوصاً اپنے توسیعی خطبات، اپنے تلامذہ کے امتحانی مقالات کے پردے میں علم اور دین کی ایسی خدمتیں انجام دے رہے ہیں جو سارے مسلمانوں کی تحسین اور شکریئے کی مستحق ہیں۔ (۷۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا قاری محمد طیبؒ

آپ صاحب طرزِ مصنف نیز ذہن و ذکا اور طباعی میں منفرد تھے۔ تحصیل علوم سے فراغت کے بعد دارالعلوم کے آرگن رسالہ ''القاسم'' کے ایڈیٹر اور رئیس التحریر منتخب کیے گئے اور عرصہ دراز تک قلمی خدمات سے ہندوستان کے علمی حلقوں کو مستفید کرتے رہے۔ اس زمانے میں آپ نے اپنے علمی اور تحقیقی مضامین اور والہانہ طرز نگارش سے علمی حلقوں میں نمایاں مقام حاصل کرلیا تھا۔ (۷۴)

مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ

دور حاضر کے علما کے خواص میں نہیں اخص الخواص تھے۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ اپنی دقتِ نظر، نکتہ رسی کے لحاظ سے فرد فرید اور اپنی نظیر بس آپ ہی تھے۔ مولانا بہ یک وقت مفسر، محدث، فقیہ، متکلم، معقولی اور صوفی صافی تھے، تاریخی مطالعہ کی وسعت و کثرت نے انہیں مؤرخ بھی بنا دیا تھا۔ طلبہ اور اونچے درجے کے یونیورسٹی طلبہ کے حق میں ایک بہترین معلم بھی تھے۔ قوت تحریر کا جو ملکہ مولانا کو حاصل تھا۔ اس سے ناظرین صدق ناآشنا نہیں۔ ایک خاص طرز انشا کے مالک تھے اور اس میں کسی کے مقلد نہیں، خود اس کے موجد تھے۔ تحریر کا سب سے بڑا وصف بے ساختگی اور برجستگی تھی۔ جب اور جس موضوع پر قلم اٹھایا بس لکھتے ہی چلے گئے، جو عنوان دوسروں کو پامال نظر آتے تھے ان میں بھی وہ نئے نئے نکتوں کا انبار لگاتے چلے جاتے۔ خشکی ان کا قلم جانتا ہی نہ تھا۔ تحریر کی سطر سطر جان دار ہوتی۔ خیالات میں وسعت اور رواداری تھی۔ خوش عقیدگی اور روشن خیالی، رسوخ فی الدین اور رواداری کی ایسی جامعیت کی نظیر شاید ہی مل سکے۔ (۷۵)

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے، وسعت نظر، وسعت مطالعہ، رسوخ فی العلم اور ذکاوت میں ان کی نظیر اس وقت ممالک اسلامیہ میں ملنی مشکل ہے، والغیب عند اللہ، تصنیف و تالیف کے لحاظ سے وہ عصر حاضر کے عظیم مصنفین میں شمار کیے جانے کے مستحق ہیں، انہوں نے اپنی کتابوں میں جو مواد جمع کردیا ہے، وہ بیسیوں آدمیوں کو مصنف اور محقق بنا سکتا ہے، اس ایک آدمی نے تن تنہا وہ کام کیا ہے، جو یورپ میں پورے پورے ادارے اور منظم جماعتیں کرتی ہیں، ان جیسا آدمی برسوں میں پیدا ہوا تھا، اور اب ان جیسا آدمی شاید برسوں میں بھی پیدا نہ ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ جانے والے پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے اور اپنے انعامات سے مالا مال کرے کہ وہ بڑا دردمند، بڑا پر محبت دل رکھتا تھا، اور اس کے قلب و دماغ کی ساری صلاحیتیں کسی نہ کسی طرح اسی ''الاسلام'' کی خدمت میں (جس کے سوا کوئی دین اس کے یہاں قبول نہیں) اور اسی ''النبی الخاتم'' کی ابدی نبوت و سیادت کے ثبوت میں اور اسی کے علوم کی نشر و اشاعت میں جس کے بعد کوئی رسول آنے والا نہیں، صرف ہوئیں، وہ جب تک زندہ رہا اسی کے گن گا تا رہا اور اپنے دیس کی بے تکلف بولی میں اس کو خطاب کر کے سناتا رہا۔ یقین کامل ہے کہ خدا کی رحمت کاملہ نے اس کو اسی محبوب کے عشاق اور اس کے دین کے مخصوص خدام میں شامل فرمایا ہوگا، جس کا کام کرتا ہوا وہ زندہ رہا اور جس کا نام لیتا ہوا وہ دنیا سے رخصت ہوا۔ (۷۶)

مولانا عبدالباری ندویؒ

یوں مولانا کے علمی و ذہنی کمالات پر ایک بالکل اچٹتی یا غلط انداز نظر کا عالم بھی یہ تھا کہ دس بیس منٹ جو پاس بیٹھ جائے ان کے تفوق سے مسحور ہوئے بغیر نہ اٹھتا۔ ہر طرح کے علمی و دینی معلومات کی بہتات، ان سے عجیب عجیب نتائج و استنباطات، پھر حسن تعبیر کی ندرت و برجستگی، ہر چیز بجائے خود خرمن دل کے لئے کرشمہ دل کش ہوتی۔ نجی و مجلسی گفتگو یا خطاب خاص سے اوپر عام خطاب یا خطابت سنیئے، تو یہ کمالات اور زیادہ مبہوت کر دیتے۔ تقریر سے آگے تحریر و تصنیف کو دیکھئے تو گیلانی اشہب قلم اس میدان میں بھی بڑے سے بڑے ہم چشموں سے پیچھے نہیں نہ کماً نہ کیفاً۔ ایک متبحر عالم دین کی میزان پر رکھئے تو معقول و منقول، تفسیر و حدیث، فقہ و کلام، سیرت و سوانح، تعلیم و تصوف وغیرہ وغیرہ جس شعبے میں جو کارنامہ چھوڑا ہے کیا اس کو صفِ اول کی ممتاز جگہ سے بھی کسی جگہ پر رکھا جا سکتا ہے؟۔ (۷۷)

مولانا عتیق الرحمن عثمانیؒ

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی اسلامی ہند کے علمی اور دینی حلقوں میں ایک بلند مقام کے مالک ہیں، سیکڑوں بلند پایہ محققانہ مقالات اور متعدد علمی اور وقیع تصنیفات آپ کی وسعتِ نظر اور علوم اسلامیہ و دینیہ میں آپ کی محققانہ بصیرت کی شاہد عدل ہیں۔ (۷۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ

مولانا گیلانی کا قلم جب چل پڑتا ہے تو پھر سر گشتہ خمار رسوم و قیود رہنا نہیں جانتا۔ چنانچہ اس کتاب میں بھی خاص موضوع بحث کے علاوہ فن حدیث وفقہ، تاریخ و سیرت سے متعلق سیکڑوں وثائق ولطائف ہیں جو علما اور طلبہ کے لئے بڑے کام کی چیز ہیں۔(۷۹)

مولانا منظور محمد نعمانیؒ

علم و تحقیق کی وسعت یا گہرائی اور اپنے معلومات کی خوب صورتی کے ساتھ دل نشین طریقے پر بیان کردینا یا تحریر میں لے آنا یہ وہ کمالات ہیں جن میں بڑی حد تک کسب کو بھی دخل ہے، لیکن عشق کی آگ اور دل کا سوز و گداز وہ دولت ہے جو صرف خدا کی دین پر موقوف ہے۔ پھر جب وہ کمال و خداداد دولت کہیں جمع ہو جائیں اور دونوں مل کر کسی ''صاحب محبوبیت کبریٰ'' کی تصویر تیار کریں تو جیسی کچھ تیار ہوگی ظاہر ہے۔ ''النبی الخاتم'' کے محترم مصنف انہی خوش نصیبوں میں سے ہیں جنہیں علم و تحقیق اور تقریر و تحریر کے کمال کے ساتھ اس وہبی نعمت سے بھی حصہ وافر ملا ہے اور اس لئے اس کتاب میں غیر قصدی بلکہ غیر شعوری ہی طور پر کہیں کہیں حال کا رنگ بھی آ گیا ہے، جس نے علم و تحقیق کے ساتھ مل کر ایک خاص کیف پیدا کر دیا ہے، اور جی چاہتا ہے کہ ان مقالات کو بار بار مزے لے لے کر پڑھا جائے۔(۸۰)

سید صباح الدین عبدالرحمنؒ

وہ اپنی فضیلت اور بزرگی کی داد لینے یا سننے میں ہمیشہ مستغنی اور بے نیاز رہے۔ حالانکہ وہ خود ہم عصروں کے کمال کی داد دینے میں بڑے فیاض تھے۔ بلکہ بعض دوستوں کے اوصاف بیان کرنے میں تو قصیدہ خواں ہو جاتے۔ ان کے ہم چشموں میں شاید ہی کسی کو ان کی تحریر سے کوئی تکلیف پہنچی ہو۔ ان کی طبیعت میں بڑی مٹھاس تھی۔ اس لئے نجی گفتگو میں بھی ان کی زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکلتی جس سے کسی کی دل آزاری ہو۔ بعض اوقات تو اس شفقت و محبت میں نو آموز اہل قلم کے لئے ایسے تعریفی کلمات لکھ جاتے جن کا وہ مستحق نہ ہوتا۔ (۸۱)

مولانا عتیق الرحمن سنبھلی

مرحوم اپنے وقت کے فرد فرید اور اپنی بعض خصوصیات کے تو بہ ظاہر خاتم تھے۔ ان کا علم ہمہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہت تھا اور قلم ہر دم رواں دواں۔ چنانچہ ان کے قلم سے اسلامی لٹریچر میں جو گراں قدر اضافہ ہوا ہے، ممکن نہیں کہ اسے نظر انداز کیا جاسکے۔ ابو ذر غفاری، النبی الخاتم، الدین القیم، اسلامی معاشیات، مسلمان کا نظام تعلیم و تربیت، امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی اور تدوین حدیث ان کی ایسی تصنیفات ہیں جن سے مدتوں علم و تحقیق کے چراغ روشن ہوتے رہیں گے۔ (جاری)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ بغداد کے محلے جاجنیر کی جانب منسوب ہیں۔

۲۔ مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی۔ حیات مولانا گیلانی۔ مجلس نشریات اسلام، کراچی: ص ۲۴، ۲۹

۳۔ ڈاکٹر ابو سلیمان شاہجہاں پوری۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانی، شخصیت اور سوانح۔ مشمولہ خدا بخش لائبریری جرنل۔ شمارہ ۱۲۸، اپریل، جون ۲۰۰۲۔ ایڈیٹر، ڈاکٹر محمد ضیاء الدین انصاری۔ ہ بہار: ص ۷۔ یہ مضمون خدا بخش لائبریری پٹنہ ہی سے الگ کتابی شکل میں بھی شائع ہو گیا ہے۔

۴۔ ڈاکٹر سفیر اختر۔ سید مناظر احسن گیلانی، احوال و آثار پر ایک طائرانہ نظر۔ مشمولہ تدوین حدیث۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانی۔ مکتبۃ العلم، لاہور: ص ۱۰۔

۵۔ ابو سلمان شاہجہاں پوری: ص ۷۔

۶۔ سفیر اختر: ص ۱۰۔

۷۔ مولانا مناظر احسن گیلانی۔ احاطۂ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن، کراچی: ص ۴۵۔

۸۔ حیات گیلانی: ص ۳۸، ۴۳۔

۹۔ سفیر اختر: ص ۱۲۔

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ حیات گیلانی: ص ۸۳، ۹۳۔

۱۲۔ ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۳۔ سفیر اختر: ص۱۵، ۱۶۔

۱۴۔ بدر شکیب۔ سرگزشت جامعہ عثمانیہ، کراچی۔ بزم طلبہ قدیم نظام کالج: ص۱۷۲۔

۱۵۔ شاہ جہاں پوری: ۱۳۔

۱۶۔ تفصیل کے لئے دیکھئے، حیات گیلانی: ص۲۴۷ تا ۲۵۱

۱۷۔ حیات گیلانی: ۲۵۲۔

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ مکتوب بنام غلام محمد۔ ۱۰ فروری ۱۹۵۴ء۔ ماہنامہ بینات، کراچی: اپریل ۱۹۶۴ء

۲۰۔ سفیر اختر: ص۲۱۔

۲۱۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔ ''مولانا مناظر احسن گیلانی''۔ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، انڈیا: مارچ ۱۹۵۷ء، ص۱۷۹۔

۲۲۔ مولانا سید ابوالحسن ندویؒ/ پرانے چراغ۔ مجلس نشریات اسلام، کراچی: ص۸۶۔

۲۳۔ ایضاً: ص۸۷۔

۲۴۔ پروفیسر اجمل خان مولانا ابوالکلام آزاد کے پرائیویٹ سیکریٹری تھے۔ یہ علوم دینیہ کے فاضل نہ ہونے کے باوجود قرآنیات پر لکھنے کے شائق تھے اور اکثر تحریف کے مرتکب ہوتے تھے (حیات گیلانی: ص۲۲۷)

۲۵۔ بعد ازاں یہ مقالہ ''ترتیب نزول قرآن مجید'' کے عنوان سے کتب خانہ عزیزیہ، دہلی سے ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا۔

۲۶۔ پرانے چراغ: ص٦٦۔

۲۷۔ غلام محمد۔ تذکرۂ احسن: ماہنامہ بینات کراچی۔

۲۸۔ شاہجہاں پوری: ص۳۳۔

۲۹۔ ایضاً ص۷۹، ۸۰۔

۳۰۔ اس سلسلے کے چند واقعات مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی کتاب پرانے چراغ میں تحریر کئے ہیں، دیکھئے: ص۶۳ تا ۹۵

۳۱۔ مکتوب بنام غلام محمد۔ ماہنامہ بینات: اپریل ۱۹۷۴ء۔

۳۲۔ پرانے چراغ: ص۹۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۳۔ پرانے چراغ/ص ۶۹

۳۴۔ مولانا عبدالباری ندویؒ۔ مقدمہ مکاتیب گیلانی۔ مرتب مولانا منت اللہ رحمانی۔ دار الاشاعت رحمانی، ۱۹۷۲ء: ص ۴۲۔

۳۵۔ پرانے چراغ/ص ۷۹

۳۶۔ ماہنامہ ریاض، کراچی: اگست ۵۳ء، ص ۴۸۔

۳۷۔ مقدمہ مکاتیب گیلانی: ص ۴۳۔

۳۸۔ پرانے چراغ: ص ۶۶۔

۳۹۔ ماماہنامہ معارف، اعظم گڑھ: مارچ ۱۹۵۷ء، ص ۱۸۲۔

۴۰۔ ابوسلمان شاہجہاں پوری: ص ۲۸۔

۴۱۔ نواب بہادر یار جنگ۔ مکاتیب بہادر یار جنگ۔ مرتب ہمدانی نقوی۔ بہادر یار جنگ اکیڈمی، کراچی: ج ۱، ص ۱۹۷۔

۴۲۔ مولانا قاری محمد طیب۔ پچاس مثالی شخصیات۔ ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان: ۱۵۷۔

۴۳۔ پرانے چراغ: ۶۴۔

۴۴۔ مقدمہ مکاتیب گیلانی: ص ۴۹۔

۴۵۔ پرانے چراغ: ص ۷۰۔

۴۶۔ حیات گیلانی: ص ۲۳۴۔

☆ شاہ جہاں پوری: ص ۳۴۔

۴۷۔ مکاتیب گیلانی: ص ۳۶۸۔

۴۸۔ سفیر اختر: ص ۲۲۔

۴۹۔ پرانے چراغ: ص ۷۰۔

۵۰۔ ایضاً: ص ۶۷

۵۱۔ ایضاً

۵۲۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانی۔ النبی الخاتم۔ مکتبہ رشیدیہ، لاہور، ۱۳۹۹ھ: ص ۷۔

۵۳۔ شاہ جہاں پوری: ص ۷۶۔

۵۴۔ سید مناظر احسن گیلانی۔ پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت۔ مکتبہ رحمانیہ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لاہور: ج۱،ص۹۔

۵۵۔سفیر اختر: ص۲۳۔

۵۶۔مولانا سید مناظر احسن گیلانی۔اسلامی معاشیات۔دارالاشاعت، کراچی: ص۱۳۶۔

۵۷ملاحظہ کیجئے پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت: ج۱،ص۱۰۔

۵۸۔مقدمہ مکاتیب گیلانی: ص۲۱۔

۵۹۔مولانا سید مناظر احسن گیلانی۔مقالاتِ احسانی۔مرتب غلام محمد۔مجلس علمی کراچی،۱۹۷۹ء: ص۱۲

۶۰۔پرانے چراغ: ص۷۵۔

۶۱۔مولانا سید مناظر احسن گیلانی۔الدین القیم۔مکتبہ السعیدیہ، کراچی، ۲۰۰۱ء: ص۲۵۔

۶۲۔دیکھئے:

الف ڈاکٹر سفیر اختر: ص۲۳۔

ب ڈاکٹر ابو سلیمان شاہجہاں پوری: ص۴۵

ج غلام محمد۔مقالاتِ احسانی: ص۱۲۔

۶۳۔ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ: مارچ ۱۹۶۳ء، ص۲۳۱۔

۶۴۔نظام تعلیم و تربیت: ج۲،ص۳۔

۶۵ایضاً: ص۳۲۸۔

۶۶الدین القیم: دیباچۂ کتاب۔

۶۷۔ایضاً: ص۷۴۔

۶۸۔سفیر اختر: ص۲۴۔

۶۹۔ایضاً

۷۰۔ابو سلیمان شاہجہاں پوری: ص۷۷۔

۷۱۔الدین القیم: ص۷۲۔

۷۲۔مولانا سید مناظر احسن گیلانی۔تدوینِ حدیث: ص۱۰۳۔

۷۳۔تدوین حدیث: تعارف: ص۵۵۔

۷۴۔مولانا قاری محمد طیب۔پچاس مثالی شخصیات: ص۱۵۶۔

۷۵۔شاہجہاں پوری: ص۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷۶۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی۔ پرانے چراغ: ص ۹۴۔۹۵۔

۷۷۔ مولانا عبدالباری ندوی۔ مقدمہ مکاتیب گیلانی

۷۸۔ پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت: ص ۸۔

۷۹۔ شاہجہاں پوری: ص ۵۵، ۵۶۔

۸۰۔ النبی الخاتم: ص ۳۔

۸۱۔ شاہجہاں پوری: ص ۴۶۔

توجہ فرمائیں

راقم اردو میں منظوم قرآنی تراجم پر تحقیقی کام میں مصروف ہے، جو حضرات اُس سلسلے میں معلومات رکھتے ہوں، یا رہنمائی فراہم کر سکتے ہوں، براہِ کرم رابطہ فرمائیں۔

مطلوبہ کتب اور مواد کی قیمت اور ترسیل کے اخراجات ادا کر دیئے جائیں گے۔

محمد سعید شیخ

ریسرچ اسسٹنٹ، علماء اکیڈمی، بادشاہی مسجد۔ لاہور۔

فون: 0300-4056110

© rasailojaraid.com